جناب ریاض الحسن نوری ایم اے

ایک حدیث کی تحقیق!

آج کل یہ طریقہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ نہ حدیث باقاعدہ پڑھی ہوتی ہے اور نہ مختلف متون پر نظر ہوتی ہے مگر ایک اجتہادی مضمون جس میں چودہ سو سال کے اکابرِ امت کے خلاف نظریات بیان ہوتے ہیں، یہودی فلسفوں کی پیروی میں واہ واہ حاصل کرنے کے لئے رقم کر دیا جاتا ہے۔ بعض عربی زبان سے معمولی واقفیت کو کافی سمجھ لیتے ہیں اور بعض تو اس واقفیت کو بھی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ محض ترجموں کے بل بوتے پر اجتہاد شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مضامین بھی پڑھنے میں آئے ہیں کہ وہ خود تو عربی سے واقف ہیں مگر کسی ملحد یا سوشلسٹ کا مضمون دیکھ لیا جس میں کوئی روایت نقل ہوتی ہے، بس اس کو لے اڑتے ہیں اور واہ واہ کے شوق میں ایک مضمون لکھ مارتے یا تقریر جھاڑ دیتے ہیں اور بعض تو اپنی کتاب تک میں اس طرح کا مواد جمع کر دیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کو اس کا حق حاصل نہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ ایسے حضرات پہلے اپنے علم کو وسیع کریں اور پھر پوری تحقیق کے بعد کوئی نئی بات کہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"حتی سئل احمد یکفی الرجل مائۃ الف حدیث حتی یفتی؟ قال لا، حتی قیل خمس مائۃ الف حدیث قال ارجوا، کذا فی غایۃ المنتھی ومرادہ الافتاء علی ھذا الاصل"

یعنی امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے لئے ایک لاکھ احادیث کافی ہو سکتی ہیں، تاکہ وہ فتویٰ دینے کے قابل ہو سکے، انہوں نے کہا کہ نہیں! حتیٰ کہ ان سے پانچ لاکھ احادیث کے متعلق پوچھا گیا۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ "مجھے امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں" یہ بات غایۃ المنتھی میں درج ہے۔ امام احمدؒ کی مراد یہی ہے

کو فتویٰ دینے کے لئے اتنی حدیثیں کافی ہیں[1]

یہ بات تو ناظرین پر واضح ہو گی کہ پانچ لاکھ احادیث میں ان کے مختلف طرق اور فتاویٰ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین وغیرہ بھی شامل ہیں کیونکہ مختلف طرق میں بعض دفعہ الفاظ مختلف بھی ہوتے ہیں اور ان سے بعض اشکالات دور کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر آپ حدیث کی ان کتابوں کا نام جاننا چاہتے ہیں جو فتویٰ کے وقت پیش نظر رہنی چاہئیں تو اس کی تفصیل آپکو حجۃ اللہ البالغہ میں ملے گی اور اس کو شاہ صاحب کے فرزند شاہ عبدالعزیز نے بھی "عجالہ نافعہ" میں درج کیا ہے۔ ہم یہاں اس کو نقل کرتے ہیں:

صحاح ستہ اور مسند احمد کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب پیش نظر رہنی چاہئیں:

"مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابویعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد حمید، مسند ابوداؤد طیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی یعنی معاجم ثلاثہ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ اور بھی کتب ہیں جن کی شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین میں بڑی تعریف اور توصیف کی ہے مثلاً حلیۃ الاولیاء، منتقیٰ ابن جارود، سنن کبریٰ للنسائی وغیرہ۔

غرض محدث اور مفتی کے لئے لازمی ہے کہ وہ جس قدر بھی سلف کے محدثین کے متون مل سکیں، حاصل کرے اور ان کے مختلف طرق کو سامنے رکھے۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کی پانچ جلدیں اور مصنف عبدالرزاق کی چھ جلدیں پاکستان پہنچ چکی ہیں (خدا ان کے ناشرین وغیرہ کو جزائے خیر دے) ان کتب سے بیحد فائدے پہنچے ہیں۔ اس کے علاوہ کتب احادیث کی مختلف شروح بھی پیش نظر ہوں تو انسان گفتگو کر سکتا ہے۔ ورنہ علم قلیل کی بنیاد پر ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے سے اکثر انسان خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بھی بنتا ہے۔

جناب ابوبکر غزنوی صاحب اپنے ایک کتابچے میں یوں لکھتے ہیں:

"قل العفو کا مفہوم حضرت ابوسعید خدریؓ والی حدیث وضاحت سے متعین کرتی ہے:

"عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علی من لا ظہر لہ ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ نور محمد ص ۱۴۹

لانا ارائنا فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رأینا انہ لاحق لاحد منافی فضل۔"

(المحلی ج ۶ ص ۱۵۷، ۱۵۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس فالتو سواری ہو تو وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غذا ہے، وہ ان لوگوں کے حوالے کر دے جن کے پاس غذا نہیں ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ آپ نے ایک ایک جنس اور مال کی ایک ایک قسم کا جدا جدا ذکر کیا، حتیٰ کہ ہماری یہ رائے ہو گئی کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں رہا۔"

یہ رأینا" جو یہاں ہے، اس کے یہ معنی نہ خیال کیجئے کہ "ہم نے خیال کیا" یہ میں عربی کے طالب علموں سے کہہ رہا ہوں۔ فقہ کی بولی میں ہم رأینا" اس وقت کہتے ہیں جب ہم کوئی فتویٰ دے رہے ہوں اور اپنی علمی رائے کا اظہار کر رہے ہوں۔ پس یہ جو ابوسعید خدری نے فرمایا "حتی رأینا انہ لاحق لاحد منافی فضل" تو اس کا معنیٰ یہ ہوا "حتیٰ کہ ہماری فقہی رائے ہو گئی کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے"

آیئے اب ذرا ان کے بیان کو سنت، حدیث، اقوالِ صحابہ اور دلیل کی روشنی میں دیکھیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ ترجمہ میں زیادتی فرمائی گئی ہے "فذکر من اصناف المال ما ذکر" اس کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ "حضور نے مال کی اقسام میں سے جن جن کا ذکر چاہا، کیا"

دوسری زیادہ اہم بات یہ ہے کہ "رأینا" کا ترجمہ "ہماری فقہی رائے ہو گئی"، متعدد وجوہ سے غلط ہے۔ اول تو یہ کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہماری موجودہ فقہی بولیاں اور اصطلاحیں رائج ہی نہیں ہوئی تھیں۔ فرض، سنت، واجب اور مستحب وغیرہ کی تقسیم بھی بعد کی ہے۔ دوسرے اگر صاحب موصوف مذکورہ بالا حدیث خود صحاح ستہ کی کتب میں دیکھ لیتے تو نہ وہ خود غلط فہمی میں مبتلا ہوتے اور نہ دوسروں کو غلطیوں میں الجھاتے۔

جو لوگ متون حدیث پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور اس دور کی زبان اور الفاظ کے استعمال سے واقف ہیں، وہ اس حدیث کے صحیح مفہوم سے خوب آگاہ ہیں۔

آیئے اب اس روایت کو صحیح مسلم مع شرح نووی (مطبوعہ مصر) میں دیکھیں، یاد رہے کہ امام نوویؒ کو کوئی بدبخت بھی سرمایہ داروں کا ایجنٹ نہیں کہہ سکتا۔ آپ نے مذکورہ بالا حدیث

کی شرح کرتے ہوئے جو باب باندھا ہے وہ یہ ہے:

"باب استحباب المواساة بفضول المال ———"

اس باب کا یہ عنوان محدثین کا متعین کردہ ہے اور منذری نے جو مسلم کا اختصار کیا ہے، اس میں بھی اس حدیث کو اسی باب کے ذیل میں بیان کیا ہے[1]۔

گویا ان اماموں کے نزدیک یہ روایت ہی فرض عین سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق "مستحب" سے ہے۔ اب کچھ الفاظ امام نووی کی عظمت کے متعلق بھی سن لیجئے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ صاحب موصوف کتنی بڑی ہستی کے خلاف اجتہاد فرما رہے ہیں اور کس کو چیلنج کر رہے ہیں۔

امام نووی کے متعلق ابوبکر بن ہبۃ اللہ کورانی طبقات الشافعیہ صفحہ ۸۰ پر فرماتے ہیں:

"موصوف نے دو برس اس طرح گذارے کہ زمین پر کبھی پہلو نہیں ٹکایا، بس ایک مرتبہ عشاء کے بعد کھانے اور ایک مرتبہ سحری کے وقت پانی پیتے تھے۔"

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس (مادہ ن وی) میں رقمطراز ہیں:

"اور نووی . . . یہیں کے متاخرین میں سے شیخ الاسلام استاذ المتاخرین اور آنے والوں پر اللہ کی حجت ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مرہ ابن جمعہ بن حزام نووی شافعی قدس سرہٗ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی خیر و برکت سے نوازے۔ ان کا تذکرہ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں اور تاج الدین سبکی نے طبقات الکبریٰ اور وسطیٰ میں کیا ہے۔

اور آخر میں لکھا ہے کہ نووی قطب زمانہ، سید دوراں اور اللہ کی مخلوق میں اس کا ایک بھید تھے۔ ان کی کرامات کا تذکرہ مشہور اور معروف باتوں کو طول دینا ہے اور کہا ہے کہ سبکی کے باپ بھی ان کا بڑا ادب کرتے اور ان سے بڑی محبت رکھتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ان کے والد کی طرف یہ شعر منسوب ہیں ؎

وفی دار الحدیث لطیف معنی

الطوف فی جراینہ و آوی

---

[1] منذری نے جو مسلم کا اختصار کیا ہے، حال ہی میں ناصر الدین البانی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ یہ ایڈیشن حال ہی میں ہماری نظر سے گذرا ہے۔

لعلی ان امس بحر وجهی

مکانا مسه قدم النواوی

ترجمہ: دارالحدیث میں ایک لطیف معنیٰ ہیں۔ میں اس کے اطراف گھومتا اور ٹھکانہ پکڑتا ہوں، شاید میں اپنے چہرہ کی گرمی سے اس جگہ کو چھولوں جس کو نووی کے قدم لگے ہوں۔"

علامہ ذہبی کے شیخ ابن فرح فرماتے ہیں:

"شیخ محی الدین نووی کو تین مرتبے اور مقامات حاصل تھے اور ہر مرتبہ ایسا ہے کہ اگر وہ کسی کو حاصل ہو تو اس کی طرف سفر کرکے پہنچنا چاہیے،

(۱) علم (۲) زہد (۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

موصوف علم، ورع، عبادت، کم کھانے اور سخت تر زندگی بسر کرنے اور (بادشاہ) ملک ظاہر کو کئی مرتبہ دار العدل (کورٹ) میں کھڑا کرنے میں یکتائے زمانہ تھے۔ دمشق میں دارالحدیث کے متولی اور صدر بھی رہے۔"

فخر ابن البخاری فرماتے ہیں:

"نووی ماہرِ فن امام اور زبردست حافظِ حدیث تھے۔ تمام علوم میں پختہ تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ کھانے پینے کی تمام مرغوبات کو چھوڑ رکھا تھا۔ وہی کھانے جو روٹی اور انجیر والد بھیجتے تھے۔ گھٹیا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور پھلوں کو بالکل چھوڑ رکھا تھا، کوئی درہم ادھر ادھر کا نہیں لیتے تھے۔"

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں:

"شیخ محی الدین نووی اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہوں میں سے تھے۔ بڑے زاہد و عابد، متقی اور پرہیزگار، محتاط، بڑے خلوت پسند اور لوگوں سے دور رہنے والے تھے، اتنے کہ اس پر ان کے سوا کوئی فقیہہ قادر نہ ہو سکا۔ صائم الدہر تھے اور دو سالنوں کو جمع نہیں کیا کرتے تھے۔"

امام نووی سے متعلق یہ باتیں ہم نے اپنے محترم اور محسن دوست مولانا محمد عبدالحلیم چشتی کی کتاب "فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ" سے نقل کی ہیں، جزاہ اللہ خیر الجزاء! دراصل یہ کتاب ہی میری

ان سے دوستی کا سبب بنی اور میں سمجھتا ہوں کہ علم حدیث سے شغف رکھنے والے ہر شخص کو ان کی یہ شرح پڑھنی چاہیئے۔

پس ثابت ہو گیا کہ امام نووی نہ صرف بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے بلکہ بہت بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ پس ایک ایسے شخص کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہنا، جو سرمایہ داروں سے ملنا بھی گوارا نہ کرتا ہو، انتہائی بدبختی اور شقاوت ہے۔ یہ امام نووی ہی تو تھے جو ملک ظاہر کو تین دفعہ عدالت میں کھینچ لائے تھے۔ ایک یہ تھے اور ایک ہمارے زمانے کے متجدد ہیں جو بڑی بڑی بلڈنگوں کے مالک اور بینک بیلنس رکھتے ہیں اور محض نام و نمود کی خاطر غریبوں کے غم میں کبھی کبھی تقریریں جھاڑ دیتے ہیں، اس پر یہ سلف کے منہ آتے اور تحقیق کے نام پر سراپا لغو باتیں کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ جن لوگوں کا علم حدیث برائے نام ہے وہ خود امام مسلم اور دیگر شارحین حدیث سے بھی اپنے کو زیادہ حدیث کا عالم سمجھتے ہیں۔

ابن حزم نے تو صرف روایت کا ایک حصہ دیا ہے۔ جب تک پوری روایت سامنے نہ ہو تو اس کا مقصد واضح نہیں ہوتا۔ مسلم میں پوری روایت یوں ہے:

"حدثنا شيبان بن فروخ حدثنا ابو الاشهب عن ابي نضرة عن ابي سعيد الخدري قال بينما نحن في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم اذ جاء رجل على راحلة له قال فجعل يصرف بصره يمينا وشمالا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل"

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سفر کا قصہ ہے اور حضرتؐ کے ساتھ صحابہؓ کا سفر جہاد وغیرہ ہی کیلئے ہوتا تھا۔ آپؐ صحابہ کو لے کر کبھی تجارت یا سیر و تفریح کے لئے سفر پر نہیں گئے۔ اور جہاد کے سفر کے موقع پر آپؐ مہیا اور سواریاں عاریۃً مانگ کر بھی لے جایا کرتے تھے۔ بہت سے مجاہدین کو زاد راہ اور سواری حکومت کی طرف سے ملی ہوتی تھی۔

بعض صحابہؓ کے پاس شراکت کے اصول پر دوسروں کی سواریاں بھی ہوتی تھیں۔ پس ظاہر ہے کہ حکومت کے عطا کردہ مال ذاتی نہ ہوتے تھے بلکہ ان میں دوسروں کا حق بھی ہوتا تھا۔ ایسے اموال کا معاملہ ذاتی اموال سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں کھول کر پرانے شارحین نے بیان

نہیں کی ہیں کیونکہ کسی کو یہ گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ جا کر لوگ "قل العفو" کی کیا کیا تاویلیں کریں گے اور یہودی فلسفوں سے متأثر ہو کر ذاتی ملکیت کی نفی کرنے کا فیشن ہو جائے گا۔

بہرحال امام نووی اس روایت کی شرح میں باب "استحباب المواساۃ بفضول المال" کے تحت فرماتے ہیں کہ "بعض نسخوں میں" یصرف بصرہ " کی بجائے صرف " یصرف " کا لفظ بھی آیا ہے اور ان میں "بصرہ" حذف ہے اور بعض میں "یضرب بالضاد المعجمۃ والباء" آیا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں " یصرف راحلتہ " یعنی وہ شخص اپنی سواری کو ادھر ادھر کرنے لگا" کے الفاظ آئے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صدقہ، سخاوت، جود، مواساۃ اور احسان اور رفق کی تحریض دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اپنے ساتھیوں کا خیال رکھنا چاہیئے اور یہ کہ حاکم عوام کو محتاجوں کی مدد کرنے کی ترغیب دے، چاہے محتاج باقاعدہ سوال بھی نہ کریں بلکہ اپنے کو حالتِ محتاجی میں پیش کرنا ہی اس کا مقتضی ہے کہ ان کی مدد کی جائے۔ اس میں مجاہد فی اللہ مسافر کے لیے مواسات اور صدقہ کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر وہ مجاہد محتاج ہو، چاہے وہ مسافر مجاہد سوار ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ اپنے وطن میں خوشحال کیوں نہ ہو۔ اس لئے فوری طور پر ایسے شخص کو زکواۃ میں سے دینا جائز ٹھیرا۔"

غور فرمائیے کہ آخری بات امام نووی نے یہ فرمائی اور اس پر قول ختم کیا کہ ایسے مسافر مجاہد کو مالِ زکواۃ دیا جا سکتا ہے۔ گویا ایسے کو زکواۃ میں سے دینا تو واجب ٹھیرا اور صدقہ تطوع کے طور پر دینا مستحب ٹھیرا۔ ابوداؤد نے تو اس روایت کو کتاب الزکواۃ میں ہی بیان کیا ہے۔ اسی سے اس کا زکواۃ سے تعلق ثابت ہے۔

پس نووی کے قول سے ہمارے متجدد صاحب کے قول کی پوری طور پر نفی ہو گئی کہ مالک کو اپنی ملکیت پر حق نہیں رہا۔

اس روایت میں حضور ؐ نے کسی سے کچھ چھینا نہیں، نہ یہ دھمکی دی کہ اگر نہ دو گے تو میں چھین کر دے دوں گا اور نہ کسی شخص سے کہا کہ تم دوسروں سے چھین لو، میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔

مسلم کی اس روایت کے علاوہ مسند احمد میں یہ روایت صرف ایک مرتبہ بیان کی گئی ہے اور وہاں بھی "رأینا" کا لفظ بمعنی گمان اور ظن کے آیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام رواۃ نے "ظننا" کا لفظ ہی روایت کیا ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

حضور ؐ کی تمام سیرت پڑھ جائیے، آپ کو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملیگا کہ کبھی حضور ؐ نے

کسی امیر سے زبردستی کچھ چھین کر کسی کو دیا ہے ۔ زکوٰۃ ایسی چیز ہے جس کو حکومت زبردستی وصول کرنے کا حق رکھتی ہے اور زبردستی لے سکتی ہے ۔ مگر حضورؐ نے تو ثعلبہ سے زکوٰۃ بھی محض اس وجہ سے نہیں لی کیونکہ اس نے ایک مرتبہ حضورؐ کے عامل زکوٰۃ کو خالی ہاتھ واپس کر دیا تھا ۔ پس اس پر آپؐ نے اس سے کبھی زکوٰۃ تک لینا گوارا نہ فرمایا ۔ حتیٰ کہ وہ سر میں خاک ڈالے شرمندہ حاضر ہوا مگر آپؐ نے پھر بھی اس کی زکوٰۃ وصول نہ کی ۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں کی خدمت میں ان کے عہدِ خلافت میں، زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا رہا، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس سے زکوٰۃ لینا گوارا نہ کیا ۔

حضورؐ کی سیرت یا خلفائے راشدین کے دور میں مال پیش کئے جانے پر انکار کی تو بہت سی مثالیں ملتی ہیں مگر زبردستی چھیننے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی ۔

اب ہم روایت زیر بحث کی طرف لوٹتے ہیں ۔

عون المعبود میں ہے کہ سندی فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی اونٹنی چلنے کے قابل نہ رہی تھی ۔ اس لئے وہ اپنی سواری سامنے لے آیا کہ حضورؐ اس کی مجبوری دیکھ لیں اور اسکو دوسری سواری عطا فرمائیں ۔

ناظرین خود سوچیں کہ یہ خاص حالات کا معاملہ ہے

پہاڑوں اور صحراؤں کے سفر میں جو لشکر یا قافلہ جا رہا ہو، اس کی بات بالکل مختلف ہوتی ہے ۔ وہاں ایسا شخص جس کی سواری ناکارہ ہو جائے یا جس کا زاد ختم ہو جائے، وہ شخص نہ تو وہاں کوئی نوکری کر سکتا ہے، نہ مزدوری کا کہیں موقع ہوتا ہے یا نہ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار سے مدد طلب کر سکتا ہے ۔ ایسے موقع پر اس کی مدد کرنا تو ساتھیوں ہی کا کام ہوتا ہے ۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں سفر کرنے والے جہاد کے قافلہ کے معاملات کو شہری آبادی پر اطلاق کرنا بالکل غلط ہے ۔ جہاں کہ غریب لوگ سگریٹ بھی پیتے ہوں سینما بھی دیکھتے ہوں، گالیاں بکتے ہوں اور تارکِ صلوٰۃ ہوں اور راکٹ اور چرس کے بھی عادی ہوں ۔

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ!)